Fikr-o-Nasar (Islamabad) 5:10 (1968)

ہبہ علی الاولاد کے مسئلہ پر ایک نظر

محمد اسلم چیمہ ــــ بھوپال والا ــ سیالکوٹ

ہمارے ملک میں سنہ ۱۹۴۸ء سے شریعت ایکٹ نافذ ہے، جس کی رو سے تقسیم وراثت میں شریعتِ اسلامی کی ھدایات کو مدِ نظر رکھنا پڑتا ہے۔ شریعت ایکٹ کے نفاذ سے قبل انگریزی قانون کے تحت لوگوں پر تقسیم وراثت کے سلسلہ میں اس طرح کی کوئی پابندی عائد نہ تھی۔ وہ جس طرح چاہتے تھے اپنی اولاد میں جائیداد تقسیم کرتے تھے۔ مدتوں تک ہندو رسم ورواج سے متاثر ہونے کی وجہ سے ہمارے بعض مسلمانوں میں بھی یہ جاہل تصور پیدا ہوگیا کہ ترکہ میں لڑکیوں کا کوئی حصہ نہیں۔ اور تمام جائیداد مرنے والے کی اولادِ ذکور میں ہی تقسیم ہونی چاہیئے۔ حالانکہ اسلامی شریعت بالکل واضح ہے کہ ترکہ میت کی لڑکیوں اور لڑکوں میں ایک مخصوص نسبت سے تقسیم ہوگا۔ اور اس نسبت سے الگ کسی اُصول کو مشعلِ راہ بنانے کا مطلب حدود اللہ کو توڑنا ہے

شریعت ایکٹ کے نفاذ کے باوجود بعض لوگ اپنے ان جاہلی تصورات کو ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے۔ اُنہوں نے لڑکیوں کو جائیداد کے حصہ سے محروم کرنے کے لئے حیلہ سازی کا سہارا لیا ہے اس مقصد کے لئے فقہاء کا یہ اُصول "ھبہ علی الاولاد اگرچہ عند اللہ گناہ مگر قانوناً جائز ہے" ان لوگوں کے ہاتھ میں ایک حربہ کا کام دے رہا ہے۔ وہ اپنی زندگی میں ہی جائیداد اولاد کو ہبہ کر دیتے ہیں تاکہ شریعت ایکٹ کا سامنا کرنے کی نوبت ہی نہ آئے۔ ہبہ کی صورت میں اولاد کے درمیان اس طرح کا ترجیحی سلوک اسلامی اصول عدل کے بالکل منافی ہے۔ حصوں کی کمی بیشی یا بعض اولاد کی محرومی سے ایک طرف قطعِ رحم کا گناہ لازم آتا ہے۔ اور دوسری طرف قریبی اور رحمی رشتوں کے درمیان فساد کا بیج بویا جاتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں بھائی بھائی کا دشمن ہو جاتا ہے۔ ھبہ علی الاولاد میں عدمِ تسویہ

(عدم مساوات) سے بے شمار قباحتیں رونما ہوتی ہیں، جو انتہائی سنگین، قابلِ مواخذہ اور ناقابلِ برداشت ہیں ـــــــــــ اس میں شک نہیں کہ شریعت نے صاحبِ جائیداد کو جائیداد پر تصرف کے اختیارات دے رکھے ہیں تاکہ مالک جائیداد اپنی جائیداد میں بیع یا رہن کے ذریعہ تصرف کر کے اپنی ذاتی ضروریات پوری کر سکے۔ اور ورثاء اس کی راہ میں حائل نہ ہوں۔ یا اگر وہ کسی غیر وارث کو بطورِ عطیہ کچھ دینا چاہے تو دے سکے اور ورثاء اس میں سدِ راہ نہ ہوں۔ لیکن اختیارات کے اس اصول سے ھبہ علی الاولاد کا وہ حکم نکالنا جس سے شریعت کے مقرر کردہ ورثاء کے حقوق پامال ہو کر رہ جائیں۔ صریحاً قرآن کی اس آیت کے منافی ہے:۔

یوصیکم اللّٰہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین۔ (سورۃ النساء۔ ۱۱)

(تمہاری اولاد کے بارے اللّٰہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصوں کے برابر ہے)

اس آیت پاک کا مطلب بالکل صاف ہے۔ جب کوئی صاحبِ جائیداد اپنی جائیداد کو اپنی زندگی میں ہی اولاد کے حوالے کرنا چاہے تو وہ "للذکر مثل حظ الانثیین" کے اصول کو رہنما بنائے گا۔ اور اگر وہ ترکہ چھوڑ کر مر جائے تو اس جائیداد کی تقسیم میں بھی اسی قانون پر عمل کیا جائے گا۔ قانون الٰہی نے حقوق کی جو شرح ورثاء کے لئے مقرر فرمائی ہے، اس کی پابندی کرنا اس کے لئے اتنا ہی ضروری ہے، جتنا کہ شریعت کے مقرر کردہ دوسرے حدود و قیود کی پابندی کرنا۔ اگر کوئی شخص جائیداد کی تقسیم میں مذکورہ اصول کی بجائے کوئی دوسرا اصول اختیار کرتا ہے تو وہ گویا اپنا شارع اپنی ذات کو بناتا ہے۔

اسلامی قانون میں وارث کے حق میں وصیت کی ممانعت کی گئی ہے۔ اس ممانعت کے ذریعہ شریعت دراصل ورثاء کے حقوق کا تحفظ کرنا چاہتی ہے۔ اگر یہ مقصد نہ ہوتا تو صاحبِ جائیداد کے اختیار پر اس پابندی کی کیا ضرورت ہے۔ یوں بھی وصیت کا اختیار ایک تہائی مال کی قید کے ساتھ ہے۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ ایک طرف تو شریعت میں صرف تیسرا حصہ جائیداد بطور وصیت دینے کی اجازت ہو۔ اور دوسری طرف ھبہ کے ذریعے تمام جائیداد ورثاء میں قانون شریعت کے علی الرغم بانٹ دینے کا حق حاصل ہو۔ یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے؟۔ اس کا مطلب

تو یہ ہوا کہ شریعت نے خرابی کا ایک راستہ بند کر کے دوسرا اُس سے بڑا راستہ کھول دیا ہے۔ گویا ورثاء کی حق تلفی اگر وصیت کے نتیجہ میں ہو تو ناجائز ہے۔ لیکن اگر ہبہ کے نتیجہ میں وقوع پذیر ہو تو جائز ہوگی۔ شریعت کا مطلوب اگر ورثاء کے حقوق کا تحفظ ہے تو اپنی مرضی کے مطابق مال کا اولاد کو ہبہ کر دینا کسی طرح جائز نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔

ہبہ علی الاولاد کا ایک واقعہ حضور رسالت مآب علیہ السلام کے سامنے پیش ہوا تو آپؐ نے نہ صرف ایسے ہبہ کو ناجائز قرار دیتے ہوئے اس کو واپس لوٹانے کا حکم صادر فرمایا۔ بلکہ ایسی صورت کو ظلم قرار دیا۔ حضرت بشیرؓ بن سعد کی کئی بیویاں تھیں جن سے اولاد تھی۔ لیکن ان کی ایک بیوی عمرہؓ بنتِ رواحہ کو اصرار تھا کہ میرے بیٹے نعمان کو جب تک ایک قطعہ باغ بطورِ عطیہ نہیں دیا جاتا، میں اس کی پرورش نہیں کروں گی۔ بیوی کی دل جوئی کے لئے حضرت بشیرؓ نے نعمانؓ کو باغ ہبہ کیا۔ بیوی اس ہبہ کی توثیق کے لئے چاہتی تھی کہ اس پر حضور علیہ السلام کو گواہ بنایا جائے۔ جب یہ معاملہ حضورؐ کے سامنے پیش ہوا تو آپؐ نے اسے ظلم قرار دیا۔ اور ہبہ لوٹانے کا حکم صادر فرمایا۔ حضرت نعمانؓ جب کچھ بڑے ہوئے تو والد کو یہ خیال آیا کہ باغ کی بجائے ان کو ایک غلام ہبہ کر دیا جائے۔ ان کی بیوی کا بھی یہ خیال تھا کہ باغ کی نسبت غلام کی قیمت چونکہ کم تھی اس وجہ سے غلام کے عطیہ پر نبی کریمؐ کو گواہ بننے میں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ جب معاملہ حضور علیہ السلام کے سامنے پیش ہوا۔ تو آپؐ نے اُسے بھی ناجائز قرار دیا۔

آپؐ کے ارشادات مختلف روایتوں میں یوں ملتے ہیں :۔

۱ : اعدلوا بین اولادکم۔ (اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو)

۲ : لا اشہد علی جورٍ۔ (میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا)

۳ : سووا بینھم۔ (ان کے درمیان مساوات برتو)

۴ : فلیس یصلح ھذا۔ (یہ ٹھیک نہیں ہے)

۵ : انی لا اشھد الا علی الحق۔ (میں حق کے سوا (ناجائز) کسی بات پر گواہ نہیں بن سکتا)

۶ : ولبنیک علیک من الحق ان تعدل بینھم۔ (تیرے بیٹوں کا تجھ پر حق ہے کہ تو ان کے درمیان عدل کرے)

حضرت نعمانؓ بن بشیرؓ کے اس واقعہ کو بعض فقہاء نے محض استحبابی اور اخلاقی حیثیت دی ہے۔ اور اسے حضور پاکؐ کا ایک مشورہ قرار دیا ہے۔ اپنے اس موقف کے حق میں انہوں نے جو دلائل پیش کئے ہیں۔ ان پر لاتعداد فقہاء نے تعاقب کیا۔

ہم یہاں نیل الاوطار سے ہبہ سے متعلق مباحث کا ضروری ترجمہ ذیل میں درج کرتے ہیں۔

"جو لوگ عطیہ کے سلسلہ میں اولاد کے درمیان تسویہ (مساوات) کو واجب سمجھتے ہیں، ان کا استدلال حضور علیہ السلام کے قول" اعدلوا بین اولادکم" سے ہے۔ بخاری نے اس کی تصریح کی ہے۔ اور یہی قول طاؤس، ثوری، احمد، اسحاق اور بعض مالکیہ کا ہے۔ ان لوگوں سے یہ بھی مشہور ہے کہ سرے سے عطیہ ہی باطل ہے۔ احمد کے نزدیک عطیہ تو صحیح ہے۔ مگر اس کو واپس کرنا واجب ہے۔ اور یہ بھی کہ عطیہ میں کمی بیشی بھی جائز ہے۔ اگر اس کا کوئی سبب ہو۔ مثلاً ایک بچہ قرضہ وغیرہ کی وجہ سے دوسروں سے زیادہ محتاج ہے۔ قاضی ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ ترجیحی سلوک سے مقصود اگر دوسرے کو نقصان پہنچانا ہو تو پھر تسویہ واجب ہے۔ جمہور اس طرف گئے ہیں کہ تسویہ مستحب ہے۔ عطیہ میں کمی بیشی کی جائے تو صحیح تو ہے مگر مکروہ ہے۔ اور انہوں نے" اعدلوا" کے حکم کو استحباب کے معنی میں لیا ہے۔ نعمان کی حدیث سے انہوں نے دس طریقوں سے استدلال کیا جن کا جواب حافظ ابنِ حجر نے فتح الباری میں دیا ہے۔

پہلا سوال یہ اٹھایا گیا کہ نعمانؓ کو جو مال ہبہ کیا گیا تھا، وہ اس کے باپ کا سارا مال تھا۔ حافظ ابنِ حجر نے اس قول کا متعدد صریح احادیث سے تعاقب کیا۔ جن میں بتایا گیا ہے کہ نعمان کو ایک غلام ہبہ ہوا تھا۔ اور مسلم کی روایت میں ہے:" تصدق علی ابی ببعض مالہٖ۔ (میرے باپ نے اپنا کچھ مال میرے اوپر صدقہ کیا۔)

دوسرا استدلال یوں کیا گیا ہے کہ مذکورہ عطیہ ابھی ادا نہیں کیا گیا تھا۔ بلکہ بشیرؓ، نبی کریمؐ کے پاس مشورہ کی غرض سے آئے تھے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے انہیں مشورہ دیا کہ ایسا نہ کرو۔ تو وہ رک گئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نبی اکرمؐ نے عطیہ کی واپسی کا حکم دیا ہے۔ (فارجعه) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عطیہ کی ادائیگی ہو چکی تھی۔ عمرۃ بنت رواحہ کا قول بھی یہی ہے کہ" میں اس وقت تک راضی نہیں جب تک تم حضورؐ کو اس پر گواہ نہ بناؤ۔"

تیسرا استدلال یوں تھا۔ اگرچہ نعمانؓ بڑے تھے۔ لیکن انھوں نے ہبہ کے مال کو ابھی اپنے قبضہ میں نہیں لیا تھا۔ اس لئے ان کے والد کے لئے رجوع کرنا جائز تھا۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ بات اکثر روایتوں کے مضمون کے خلاف ہے۔ خصوصاً لفظ (ارجعه) یعنی "اس عطیہ کو واپس کرو" قبضہ ہو جانے پر دلالت کرتا ہے۔

چوتھی دلیل یہ تھی کہ لفظ (ارجعه) ہبہ کی صحت کی دلیل ہے کیونکہ اگر ہبہ صحیح نہ ہوتا تو اس کا واپس لوٹانا بھی صحیح نہ ہوتا۔ واپس لوٹانے کا حکم اس لئے دیا کہ باپ کو اختیار ہے کہ بیٹے کے ہبہ کو واپس لے لے۔ اگرچہ افضل اس کے برعکس ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ پھر ایسے ہبہ کو ظلم سے تعبیر فرما کر "اتقوا اللّٰہ واعدلوا بین اولادکم" کیوں فرمایا۔ جب کہ باپ اپنے جائز حق سے فائدہ اُٹھا رہا تھا۔

پانچواں استدلال یہ کیا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے "اشھد علی ھذا غیری" (اس پر میرے سوا کسی اور کو گواہ بنالو)۔ اس میں دوسروں کو گواہ بنانے کا حکم ہے۔ آپؐ نے خود امام ہونے کی وجہ سے انکار فرمایا۔ کیونکہ امام کی یہ شان نہیں ہوتی کہ وہ گواہ بنے۔ اس کی شان تو یہ ہے کہ وہ فیصلہ کرے۔ اس کا جواب یہ ہے۔ دراصل یہ الفاظ سخت ناراضگی کے موقع پر بولے گئے۔ اور حدیث کے باقی الفاظ اس پر دلیل ہیں۔ حافظ ابنِ حجرؒ کہتے ہیں کہ جمہور کا مسلک یہی ہے۔ ابنِ حبانؒ کہتے ہیں کہ حضورؐ کا قول "اشھد" صیغہ امر ہے۔ اور اس سے مراد جواز کی نفی ہے۔ حضورؐ کا اس معاملہ کو ظلم سے تعبیر کرنا بھی اس کا ثبوت مہیا کرتا ہے۔

چھٹا استدلال یہ تھا کہ حضور علیہ السلام کے قول الا سویت بینھم (کیا تو نے ان کے درمیان یکساں سلوک نہیں کیا۔) سے مراد امر مستحب اور نہی تنزیہی ہے۔ حافظ نے اس کا جواب یہ دیا کہ یہ استدلال تسلیم ہو سکتا تھا اگر ان کے علاوہ حضور علیہ السلام کے مزید کوئی الفاظ منقول نہ ہوتے۔ بالخصوص سووا بینھم (ان سے یکساں سلوک کرو) کے الفاظ ......

ساتواں استدلال یہ تھا کہ محفوظ حدیث نعمانؓ میں قاربوا بین اولادکم ہے نہ کہ سووا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ تم مقاربت کو واجب نہیں سمجھتے جیسا کہ تسویہ کو واجب نہیں سمجھتے ہو۔ قاربوا کو سووا کے معنی پر محمول کیا گیا ہے۔ اور جور اور غیر حق کے الفاظ سے اس کی تائید

ہوتی ہے۔

آٹھواں استدلال یہ تھا کہ عطیہ میں اولاد کے مابین مساوات کو ان کے درمیان نیکی کا یکساں سلوک کرنے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس میں اس بات کا قرینہ موجود ہے کہ یہ امر مستحب ہے۔ اس کا جواب حافظ ابن حجرؒ نے یہ دیا کہ عدم مساوات پر جَور (ظلم) کا لفظ بولنا اور ترجیح یا فضیلت کے طرزِ عمل سے منع کرنا استحباب پر نہیں بلکہ وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ پس ان دونوں قرائن کو اپنے اصل سے پھیرنا جائز نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اوامر میں اصل وجوب ہے۔ اور نہی میں اصل حرمت۔ یہ دونوں اپنے مقام پر رہیں گے جب تک کوئی قرینہ ان کو اپنے اصل مقام سے ہٹا کر امر سے استحباب اور نہی سے نہی تنزیہی مراد نہ لے۔ یہاں ایسا کوئی قرینہ موجود نہیں۔

نواں استدلال یہ تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کا حضرت عائشہؓ کو عطیہ دینا ثابت ہے۔ حضرت عمرؓ کے بارے میں بھی آیا ہے کہ اُنھوں نے دوسرے لڑکوں کو چھوڑ کر اپنے بیٹے عاصمؓ کو عطیہ دیا۔ اگر ایسا کرنا جائز نہ ہوتا تو خلفائے راشدین ایسی غلطی کیوں کرتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عروہؓ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کو عطیہ دینے پر ان کے بھائی راضی تھے۔ عاصمؓ کے واقعہ میں بھی یہی صورت تھی۔ مزید برآں اصولی طور پر مرفوع حدیث کی موجودگی میں خلفاء کا طرزِ عمل حجت نہیں ہے۔

دسویں دلیل یہ تھی۔ اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ ایسا عطیہ جو آدمی اپنی اولاد کو چھوڑ کر کسی غیر کو دے، وہ جائز ہے۔ اس لئے اگر یہ بات جائز ہے کہ وہ اپنی تمام اولاد کو چھوڑ کر کسی غیر کو اپنی جائیداد یا مال کا مالک بنا دے تو یہ بھی جائز ہونا چاہیئے کہ وہ بعض اولاد کو چھوڑ دے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نص کی موجودگی میں قیاس کا ضعف مخفی نہیں۔ پس حق بات یہ ہے کہ اولاد کے درمیان تسویہ واجب ہے اور کمی و بیشی کا ترجیحی سلوک حرام ہے۔

اُوپر کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اولاد میں سے بعض کے حق میں باستثنائے دیگر ہبہ کرنا سراسر قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔ یہ نہ صرف گناہ ہے بلکہ قطعی حرام ہے۔ ہمارے مروجہ قانون کی نظرِ ثانی ہونی چاہیئے۔ علماء اسلام کو اس کے خلاف آوازِ حق بلند کرنی چاہیئے تاکہ ہماری عدالتیں اس پہلو پر غور و خوض کر کے قانون ہبہ دوبارہ بعض اولاد باستثنائے دیگراں کی صحت کر سکیں۔